بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغامِ صلح
لاہور

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد برنفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

رجسٹرڈ ایل ۸۳۵
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۳۲۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید، و پائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے
بیرونی ممالک سے — پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد : ۶۸	یوم چہارشنبہ ۲۳ جمادی الثانی سنہ ۱۴۰۱ھ ہجری بمطابق ۲۹ را پریل سنہ ۱۹۸۱ء عیسوی	شمارہ :- ۱۷

حضرت مجدد صد چہاردہم

سرِ من در رہِ یارے نثارے

خداوندیکہ جاں بخش جہاں است — بدیع و خالق و پروردگارے

وہ خدا دنیا کو زندگی عطا کرنیوالا ہے — کائنات کی ابتداء کرنے والا، ہر شئے کا پیدا کرنے اور پالنے والا ہے

کریم و قادر و مشکل کشائے — رحیم و محسن و حاجت برآرے

وہ کرم کرنے والا، ہربات پر قدرت رکھنے والا مشکل کشا ہے — وہ رحم کرنے والا، احسان کرنے والا، اور حاجتیں پوری کرنے والا ہے

چوں آں یارِ وفادار آیدم یاد — فراموشم شود ہر خویش و یارے

جب وہ وفادار یار مجھے یاد پڑتا ہے — تو پھر مجھے تمام دوست و احباب بھول جاتے ہیں۔

بغیر او چساں بندم ادل خویش — کہ بے رویش نمے آید قرارے

اس کے سوا اور دل کہاں لگاؤں؟ — کیونکہ اس کا حسین چہرہ دیکھے بغیر مجھے چین نہیں آتا

دلِ من دلبرے را تخت گاہے — سرِ من در رہِ یارے نثارے

میرا دل محبوب کی تخت گاہ ہے — اور میرا سر دوست کے راستے میں قربان ہے

چگویم فضلِ او برمن چگونست — کہ فضلِ اوست ناپیدا کنارے

میں کس طرح بیان کروں کہ اس کا مجھ پر کس قدر فضل ہے — کیونکہ اس کے فضل کا سمندر کا کوئی کنارہ نہیں

www.alahmadiyya.org

اللہ تعالیٰ کی صفات اپنانے والا انسان خُدانُما بن جاتا ہے

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اسلام کا درخشاں چہرہ دنیا کو دکھایا

حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ تعالےٰ ـــــــ:

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں کو اپنے اوپر اللہ کا رنگ چڑھانا چاہیئے۔ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تخلقوا باخلاق اللہ۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کی صفات اور اس کے اخلاق اپنے اندر پیدا کریں۔ ان کے عمل سے خدا نظر آنا چاہیئے۔ قرآن کریم کی تعلیم کا یہ کمال اور حضور صلعم کی تربیت کا یہ کرشمہ ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کی صفات کو اپنا لیتا ہے اور اس کا خاکی وجود خدانما بن جاتا ہے ایسے انسان کا ہر عمل اور ہر حرکت خدانما ہوتی ہے۔ وہ فنا فی اللہ کے مقام پر ہوتا ہے یہی صبغۃ اللہ ہے۔ ومن احسن من اللہ صبغۃ اللہ تعالےٰ کے اس رنگ سے زیادہ اچھا کونسا رنگ ہو سکتا ہے مسلمان قوم جس نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم سے فائدہ اٹھایا، اس کو اللہ تعالےٰ حکم دیتا ہے کہ الٰہی اخلاق اپنے اندر پیدا کرو، اپنے عمل سے ثابت کرو کہ تم مسلمان ہو جو خدائی صفات اپنے اندر رکھتے ہو رحمۃ للعالمین کی اُمت ہو۔ تمہارا وجود دنیا کے لئے موجب رحمت ہے۔ گھر ہیں۔ کاروبار میں۔ دفتر میں ہر جگہ تمہارے اخلاق اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی صداقت کے گواہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو صرف زبان سے مان لینے کا کیا فائدہ ہے؟ تمہاری خدا پرستی، تمہارے عمل سے ظاہر ہونی چاہیئے۔ دوکانداری ہو۔ یا کارخانہ داری یا ملازمت، ہر جگہ الٰہی رنگ تمہارے اندر تمہارے وجود سے نمایاں ہو خدا کی صفات اپنے اعمال سے ظاہر کرو۔ تمہارے ملازم شہادت دیں، کہ یہ شخص محمد رسول اللہ صلعم کا ماننے والا ہے اور اس صدی کے مجدد حضرت مرزا صاحب کو بھی ہم نے دیکھا ہے۔ وہ بھی الٰہی صفات اپنے اندر رکھنے اور رسول کریم صلعم کے اخلاق کا نمونہ تھے۔ ان کے نمونہ کو اپنے وجود میں پیدا کرنا چاہیئے۔ صبغۃ اللہ وہ مقام ہے جہاں اخلاق کی سب تعلیمات مکمل ہو جاتی ہیں۔ اور اس سے بہتر اور کوئی تعلیم نہیں۔

انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے لیں چاہیئے کہ تم اپنے حسن عمل سے خلیفۃ اللہ ہونا ثابت کرو۔ مسلمانوں کو بحیثیت قوم کے اللہ تعالےٰ حکم دیتا ہے کہ گھر کی چار دیواری میں ہو یا دفتر کے کمرہ میں۔ سب کے ساتھ کریمانہ اخلاق سے پیش آؤ۔ ہر اس شخص کا جس کا تمہارے ساتھ کوئی معاملہ ہو۔ دل گواہی دے کہ تم سچے مسلمان ہو۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے محمد رسول اللہ صلعم کے ماننے والوں کے لئے یہ مقام تجویز ہوا ہے کہ تمہارے سلوک میں وہ رنگ نظر آنا ضروری ہے جس کو دیکھ کر لوگ کہہ اٹھیں کہ یہ محمد رسول اللہ صلعم کا ماننے والا ہے خدا رب العالمین ہے وہ اپنے نہ ماننے والوں کو بھی رزق پہنچاتا ہے۔ اور اپنے دشمنوں کی بھی ربوبیت فرماتا ہے۔ اسی طرح تمہارے مخالف بھی تمہارے فیض سے محروم نہیں رہنے چاہئیں۔ یہ اخلاق کی سب سے بلند اور ارفع چوٹی ہے۔ جس تک انسانوں کو پہنچانے کے لئے حضور نبی کریم صلعم اس دنیا میں تشریف لائے۔ حضورؐ نے پہلے خود خدائی صفات کو اس طرح اپنایا کہ آپکے تمام معاملات میں خدا کا جلوہ نظر آتا تھا۔ آپ ایک کامل انسان تھے اور خدا تعالےٰ نے آپ کو ایک کامل اور قیامت تک کے لئے قابل عمل کتاب دے کر اور خاتم النبیین کے بلند مرتبہ پر فائز کر کے دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ صبغۃ اللہ کی تعلیم دی جس سے اوپر اخلاق کا کوئی درجہ نہیں ہے۔ اسی مقام پر اللہ اور اس کا رسول مسلمانوں کو پہنچانا چاہتا ہے تمہاری ہر حالت اور ہر بات سے الٰہی رنگ جھلکنا چاہیئے۔ جس کی تفسیر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تخلقوا باخلاق اللہ کے حکم میں کی ہے۔ یہ تعلیم کسی دوسرے مذہب نے نہیں دی۔

اسلام انسان کو فطرتاً گنہگار نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ ولقد کرمنا بنی اٰدم بنی نوع انسان کو ہم نے معزز بنایا ہے۔ انسان کا اعزاز اس میں ہے کہ وہ اپنے وجود پر الٰہی رنگ چڑھائے۔ اور بلندیٔ اخلاق کا مظاہرہ کرے۔ اس تعلیم کا کامل نمونہ رسول کریم صلعم کے وجود میں دُنیا نے دیکھا۔ چنانچہ آپ کی شانِ اقدس میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ رسول اللہ صلعم کے وجود میں تمہارے لئے بہتر نمونہ ہے۔ حضور یتیم پیدا ہوئے۔ نہایت بے کسی کی حالت میں دنیا میں تشریف لائے۔ نبوت کے مقام پر فائز ہوئے تو قسم قسم کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ گالیاں سنیں۔ ماریں کھائیں۔ لہو لہان ہوئے۔ حتیٰ کہ وطن چھوڑنا پڑا۔ بھوکے رہے۔ پیٹ پر پتھر باندھے۔ اور خدا کے راستہ پر وہ تکالیف سہیں جن کے تصور ہی سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دشمنوں کے مقابلہ میں جنگیں کرنی پڑیں۔ خود زخمی ہوئے۔ اور آپ کے جاں نثار صحابہ، خدا کی راہ میں شہید ہوئے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی۔ اور دشمنوں کو ذلت اٹھانی پڑی۔ اور آپ کو بادشاہت مل گئی۔ لیکن اسوقت بھی آپکے اخلاق کریمانہ میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور لا تثریب علیکم الیوم (آج تم پر کوئی ملامت نہیں) کہہ کر صبغۃ اللہ کا وہ بلند نمونہ پیش کیا کہ دشمن بھی حیران رہ گئے۔ کیا اللہ تعالےٰ کے اس رنگ سے بہتر کوئی اور رنگ ہو سکتا ہے؟

عام طور پر انسان نعمت اور اقتدار میں اعتدال کو چھوڑ دیتا ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلعم کی حیاتِ اقدس میں دُکھ سکھ اور رنج و راحت میں ایک ہی قسم کے اخلاق نظر آتے ہیں۔ سخت مصائب کے ذریعہ آپ کی آزمائش بھی ہوئی۔ غربت اور تنگ دستی میں آزمائے گئے۔ شدید ترین مظالم آپ پر ڈھائے گئے۔ مگر نہ اس وقت کوئی اخلاقی کمزوری آپ سے صادر ہوئی نہ بادشاہ بن جانے کے بعد کوئی فخر و مباہات کا اظہار کیا نہ عیش و عشرت کی زندگی اختیار کی۔ وہی سادہ کپڑے اور سادہ خوراک آپ کی زندگی کا معیار رہا۔ جو غربت اور تنگ دستی میں تھا (سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی) کہہ لینا جتنا آسان ہے۔ اتنا ہی عمل کر کے دکھانا مشکل ہے۔

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم نصیر احمد فاروقی صاحب بتاریخ ۲۴ راپریل ۱۹۸۱ء بمقام مسجد جامع، دارالسلام، لاہور

اِنّما المؤمنون اخوۃٌ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان اللہ توّاب رحیم (الحجرات ۴۹: آیات ۱۰ تا ۱۲)

ترجمہ:- بے شک مومن بھائی، بھائی ہیں۔ سو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔ اور اللہ کا تقویٰ کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ایک قوم دُوسری قوم پر ہنسی نہ کرے شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دُوسری عورتوں پر ہنسی کریں شاید وہ اُن سے بہتر ہوں۔ اور نہ اپنے لوگوں پر عیب لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کے نام دھرو۔ ایمان کے بعد بُرا نام کیا ہی بُرا ہے۔ اور جو توبہ نہ کرے تو وہی ظالم ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو بہت گمان بد کرنے سے بچو۔ کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے۔ اور نہ ایک دوسرے کے بھید ٹٹولو۔ اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو تم اس سے کراہت کرتے ہو۔ اور اللہ کا تقویٰ کرو۔ اللہ توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

لفظ اسلام کے معنیٰ اللہ تعالےٰ کی کامل فرمانبرداری کرنا ہے۔ اور اس لفظ کے دُوسرے معنیٰ ہیں صلح و امن میں داخل ہونا۔ تو کیا ان دو معنوں میں نعوذ باللہ تضاد ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ دونوں معنی صحیح ہیں اور ان میں زبردست تعلق ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ کی مکمل فرمانبرداری میں ہی صلح و امن ہے نہ صرف انسان کے اندر بلکہ باہر بھی۔ اسلام نے اطمینانِ قلب حاصل کرنے کا کیا راستہ بنایا ہے وہ میرا آج کا مضمون نہیں۔ نہ میں بین الاقوامی صلح و امن قائم کرنے کے اسلامی اصولوں پر آج کچھ کہوں گا۔ بلکہ اسلامی برادری میں یا کسی جماعت یا خاندان میں صلح و امن قائم رکھنے کے لئے جو باتیں قرآنِ حکیم نے بتائی ہیں اُن میں سے بعض کا ذکر کروں گا۔

مؤمن بھائی، بھائی ہیں

پہلی بات اُن آیات میں جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی ہیں یہ فرمائی کہ مومن سب بھائی، بھائی ہیں۔ اسلامی اخوت یا بھائی چارہ ایسی حقیقت ہے کہ تاریخ میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یعنے مہاجر اور انصار نے جس اخوت یا بھائی چارے کا نمونہ دکھایا اس کی نظیر کسی قوم میں نہیں ملتی۔ خونی بھائی چارگی اس کے آگے ہیچ تھی۔ آج گئی گزری حالت میں بھی کوئی غیر مسلم مسلمان ہو جائے خواہ وہ بھنگی ہو تو مسلمان اُسے فوراً گلے لگا لیتے ہیں اور اسے اپنے دل کے اس قدر قریب پاتے ہیں کہ خونی بھائی بھی اکثر اس قدر دل میں سما نہیں سکتا۔ یہ ایک عجیب بھائی چارہ ہے جو بے اختیار (اس لئے تصرف الہٰی سے فوراً) دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔

مگر کسی دو بھائیوں میں بھی لڑائی جھگڑا پیدا ہو سکتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ دو بھائیوں میں خواہ وہ خونی رشتہ سے بھائی ہوں یا دینی رشتہ سے ان میں اگر لڑائی جھگڑا ہو جائے تو انکی صلح کروا دیا کرو۔ چونکہ شیطان فتنہ و فساد کو پسند کرتا ہے اس لئے وہ انسانوں کے دلوں میں ایسے موقعوں پر یہ شرارت پیدا کرتا ہے کہ کسی دو بھائیوں میں لڑائی جھگڑا ہو تو لوگ یا تو کھلم کھلا اس میں کود کر آتے اور بھڑکاتے ہیں یا پھر ادھر کی بات اُدھر لگا کر یا دونوں فریق کی ہاں میں ہاں ملا کر لڑائی جھگڑے کو اور طول دیتے ہیں۔ تو پہلی بات تو یہ فرمائی کہ خدا کا خوف کیا کرو۔ تقویٰ اللہ کے معنی ہوتے ہیں اللہ تعالےٰ کے مواخذہ یا سزا سے اپنے آپ کو بچانے کے۔ اور یہ الفاظ اِن احکام پر آتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالےٰ کی جناب میں خاص طور پر مواخذہ یا پکڑ ہوگی۔ تو بجائے لڑائی جھگڑا بڑھانے کے اگر صلح صفائی کرا دی جائے تو فرمایا کہ اللہ تعالےٰ تم پر رحم کرے گا۔ اس کے معنے صرف دنیاوی رنگ میں رحم کے نہیں۔ بلکہ روحانی ترقی کے ہیں۔ صلح و صفائی کے لئے جو نفس کو مارنا پڑتا ہے اُس میں روحانی فلاح بڑھتی ہے۔

تمسخر

اس کے بعد آج کی آیات میں فرمایا کہ آپس میں لڑائی جھگڑے پیدا ہی نہ ہونے دو۔ آپس کی بدمزگیاں اور لڑائی جھگڑے کئی وجوہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ ایک دوسرے پر تمسخر کرنا ہے۔ تمسخر دراصل ایک شرارت ہے جو شیطان اُس کو سوجھاتا ہے جب میں تکبّر ہو یعنے وہ اپنے آپ کو تو بڑا یا امیر یا بے عیب سمجھتا ہو اور دوسروں کو حقارت سے دیکھے۔ تو تمسخر سے اگلے کا دل بہت دُکھتا ہے کیونکہ وہ اپنی بے عزتی یا رسوائی یا اپنے پر جگ ہنسائی کو پسند نہیں کرتا۔ لیجئے لڑائی جھگڑا یا دنگا فساد ہو گیا۔ حضرت مولانا نورالدّین نے تو فرمایا ہے کہ کافر تک پر تمسخر مت کرو۔ اس سے وہ حق سے اور دور ہو جائے گا اور اس کا گناہ تم پر ہوگا اسی طرح کسی کی غربت پر ہنسنا یا کسی کے عیب پر ہنسنا کتنی بُری بات ہے۔ تمسخر کو روکنے کے لئے قرآنِ حکیم نے عورتوں کو خاص طور پر مخاطب فرمایا اس لئے کہ یہ عیب اُن میں خاص طور پر زیادہ ہوتا ہے۔

فرمایا کہ تمسخر میں جو تم دُوسرے کی حقارت چاہتے ہو تو بہت ممکن ہے کہ وہ تم سے (مرد ہو یا عورت) بہتر ہو۔ یعنے اگر تم سچ مچ بھی اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہو تو بھی بہت ممکن ہے

کہ وہ تم سے بہتر ہو۔ اس لئے کہ عالم الغیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

عیب جوئی

دُوسری بُرائی جس سے روکا اس کے لئے لفظ لمزۃ استعمال فرمایا جس کے معنی منہ پر عیب لگانا ہے۔ یہاں پھر اپنے اندر تکبر اور اپنے آپ کو بے عیب سمجھنا مخفی ہوتا ہے اور دُوسرے کو حقیر سمجھنا ہوتا ہے۔ لوگ اسے اپنی "حق پرستی" یا "صاف گوئی" کے خوبصورت نام دے کر اپنے مذموم فعل کو ڈھانپنا چاہتے ہیں۔ یا پھر کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد دُوسرے کی اصلاح ہوتی ہے۔ تو برملا عیب جوئی یا طعنہ بازی سے اگلے کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر اصلاح مقصود ہو تو فرعون جیسے بد انسان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو فرمایا کہ:۔

فقولا لہ قولاً لیناً لعلہ یتذکر او یخشیٰ (طٰہٰ ۲۰ ـ آیت ۴۴) یعنے تم دونوں اس سے نرم بات کرنا تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے خوف کھائے۔ اصلاح کرنے کا یہ طریق ہے نہ کہ مونہہ پر عیب لگانا اور طعن کرنا۔

خود ہمارے امام اور مُرشد کا بھی طریق تھا کہ وہ اگر کسی میں کوئی عیب دیکھتے تو اس کا نام لے کر یا اُسے مخاطب کر کے اس کا ذکر نہ کرتے بلکہ اس عیب کا ذکر عام طور پر فرماتے اور دور کرنے کی نصیحت کرتے۔ جس میں عیب ہوتا تھا اس کے دل کے اندر کے چور کو کھٹک جاتی تھی اور حضرت اقدس کے خوش اسلوبی سے عام طور پر ذکر کرنے پر وہ شخص سمجھ جاتا اور مشکور ہو کر اپنی اصلاح کر لیتا۔ میں نے تو آج تک برملا عیب لگانے یا طعن کرنے پر کسی کی اصلاح ہوتی دیکھی نہیں اور نہ ہو سکتی ہے۔ البتہ لڑائی جھگڑے کھڑے کرنے کا یہ مؤثر طریق ہے۔

نام دھرنا

تیسری بات جس سے قرآن پاک نے منع فرمایا وہ ایک دوسرے پر نام دھرنا ہے۔ یہ بھی وہی اپنے اندر مخفی تکبر اور دُوسرے کی تحقیر یا تضحیک کرنا ہوتا ہے۔ اکثر کسی کے کسی عیب پر نام دھرا جاتا ہے اور جب وہ عیب جسمانی ہو تو اس سے خصوصاً اگلے کا دل خون ہوتا ہے۔ اور اگر وہ عیب روحانی ہو یا دینی تو یہ بھی بُری بات ہے۔ جیسا کہ مُخاطب فرمایا کسی کے ایمان کے بعد اُس پر بُرا نام دھرنا تو بہت ہی بُری بات ہے جو لوگ بات بات پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔ یا ایک دوسرے کو فاسق یا فاجر یا منافق یا بے ایمان کہتے ہیں انہیں خدا کا خوف کرنا چاہیئے۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ جو توبہ نہ کرے تو وہ ظالم ہے۔ فرمایا کہ اگر تم ایسی غلطیاں جن کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے کرتے رہے ہو تو اب فوراً توبہ کرو اور اس کے بعد کبھی نہ کرنا ورنہ تم سے سلوک وہی ہوگا جو ظالموں سے ہونا چاہیئے۔ قرآن پاک ظالموں کے بُرے انجام سے بھرا پڑا ہے اس سے ڈرنا چاہیئے۔ خود رسول پاک صلعم نے دو باتیں فرمائی ہیں جن کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اوّل تو فرمایا کہ انصر اخاک ظالماً او مظلوماً یعنے اپنے بھائی کی مدد کرو۔ خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ حضورؐ مظلوم کی مدد تو ہم سمجھ سکتے ہیں مگر ظالم کی مدد ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ تو حضور صلعمؐ نے فرمایا "اسے ظلم سے روک کر"

سبحان اللہ! کیا حکمت کے موتی کتنے سیدھے سادے الفاظ میں حضور صلعم نے بکھیرے ہیں۔

حضرت مجدّد زماں نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

اُمّی و در علم و حکمت بے نظیر + زیں چہ باشد حجّتے روشن ترے

یعنے حضور صلعم اُمّی ہو کر علم و حکمت میں بے نظیر تھے۔ تو اس سے بڑھ کر روشن دلیل کیا ہو سکتی ہے۔ کہ حضورؐ کو علم و حکمت پڑھانے والا خود اللہ تبارک و تعالیٰ تھا۔ اور آپ خدا کے فرستادہ تھے۔

دُوسری بات حضور صلعم نے فرمائی کہ مظلوم کی آہ سے ڈرو کہ اس کے اور آسمان کے درمیان کوئی روک نہیں ہوتی۔ یاد رہے کہ آیت مندرجہ بالا میں تمسخر کرنے والوں، عیب جوئی یا طعن بازی کرنے والوں اور بُرے نام دھرنے والوں کو ظالم کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو اُن کے تختۂ مشق ہوں وہ مظلوم ہیں۔ ان کی آہ سے ڈرنا چاہیئے۔

بدظنی

چوتھی مکروہ بات جس سے قرآن پاک نے روکا ہے وہ بدظنی ہے جب فرمایا کہ "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بہت بدظنی سے بچو کیونکہ بعض بدظنی گناہ ہوتی ہے۔" بدظنی یا بدگمانی عام انسانی کمزوری ہے۔ اور یہ اکثر بدظنی کرنے والے کے اپنے کسی مخفی عیب کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے ورنہ حدیث شریف میں کیا عمدہ بات فرمائی ہے کہ ظن المؤمنین خیرا یعنے مومن ہمیشہ حُسنِ ظن سے کام لیتا ہے۔ یعنے حسن ظنی کرو۔ یہاں تک کہ ثابت ہو جائے کہ کسی میں کوئی بدی واقعی ہے تب بھی اس کے مونہہ پر مت طعن دو بلکہ عام ذکر کر کے اصلاح چاہو۔

بدظنی سے بچنے کی نصیحت فرماتے ہوئے حضرت مجدد وقت نے ایک واقعہ کا ذکر فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس زمانہ میں جبکہ بغداد اسلامی دارالسلطنت تھا دجلہ یا فرات دریا سے کشتی میں بغداد میں آیا تو اس نے دریا کے کنارے ایک نوجوان اور خوبرو لڑکے اور لڑکی کو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہنس بول رہے ہیں اور ایک لمبی بوتل میں سے کوئی سُرخ چیز پی رہے ہیں۔ تو شیطان نے فوراً اس کے دل میں بدظنی پیدا کی کہ یہ کوئی عاشق و معشوق ہیں جو دریا کے کنارے عشق بازی کرنے آئے ہوئے ہیں۔ اور شراب پی رہے ہیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ بغداد میں داخل ہونے کے کچھ دن بعد اس شخص کا اس نوجوان لڑکے سے ملنے کا اتفاق ہو گیا۔ تو مسافر نے اُسے کہا۔ چند روز ہوئے میں نے آپ کو دریا کے کنارے بیٹھے دیکھا تھا۔ نوجوان نے پوچھا یہ کب کی بات ہے؟ تو مسافر نے دن کا تعین کر دیا۔ تو وہ نوجوان بولا ہاں اُس دن میں دریا پر اپنی بہن کے ساتھ تفریح کے لئے گیا ہوا تھا۔ تب تو مسافر کو اس کے ضمیر نے ملامت کی کہ تو نے خواہ مخواہ ان بھائی بہن پر بدظنی کی کہ یہ کوئی عاشق و معشوق ہیں۔ اور بطور تلافی مسافر نے اپنی اس بدظنی اور اپنی پشیمانی کا انکشاف جب نوجوان پر کیا تو وہ ہنسنے لگا اور کہنے لگا کہ جو چیز ہم پی رہے تھے وہ شراب نہ تھی بلکہ شربت تھا جو ہم دریا پر ٹھنڈا کر کے پی رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ بدظنی یا بدگمانی فوراً کر لینا کتنی بُری بات ہے۔ صحیح طریق یہی ہے کہ حسن ظنی سے کام لو۔ یہاں تک کہ کسی کی بدی ثابت ہو جائے۔

بدظنی بنیاد بن جاتی ہے بہت سی اور بُرائیوں کی۔ مثلاً ان دُوسرے کا خواہ مخواہ دشمن بن جاتا ہے اور مرد و زن کے تعلقات کے بارہ میں تو بدظنیوں سے بلا ضرورت لڑائی جھگڑے، ناچاقی بلکہ طلاق طلاق اور قتل تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

تجسس

اگلا حکم یہ ہے ولا تجسسوا یعنے ایک دُوسرے کے بھید مت ٹٹولو۔ کس قدر عام ہے یہ مرض! جہاں کوئی بُری بات ہو جائے تو مرد و زن اس ٹوہ میں لگ جاتے ہیں کہ کیا ہوا؟ کیوں ہوا وغیرہ وغیرہ۔ فرض کیجئے کہ کسی میاں بیوی میں ناچاقی ہوگئی ہو یا طلاق ہوگئی ہو تو لوگوں کے پیٹ میں مروڑ ہونے لگ جاتے ہیں کہ معلوم کریں کہ کیوں ہوئی، کس کا قصور تھا وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر ان باتوں پر تبصرہ کرنا اور ان کو پھیلانا ان کا مرغوب مشغلہ بن جاتا ہے۔ یہ دوسروں کے معاملات میں خواہ مخواہ تجسس کرنا نہ صرف غیر ضروری ہوتا ہے بلکہ گندگی میں مُنہ ڈالنے کے مترادف ہوتا ہے۔ دوسروں کے عیب یا کمزوریاں یا برائیاں معلوم کر کے کیوں لوگوں کو خوشی محسوس ہوتی ہے۔؟

غیبت

اس کے بعد غیبت سے منع فرمایا۔ یہ ایک اور بُرائی ہے جو بہت عام ہے مگر ایک مکروہ فعل ہے۔ غیبت یہ ہے کہ انسان دوسروں کے عیبوں یا عیب کا ذکر ان کی پیٹھ کے پیچھے کرے جبکہ اس کی ضرورت نہ ہو۔ یعنے فرض کرو کہ کسی کی لڑکی کی شادی ہونی ہو اور وہ آپ سے پوچھے کہ ہونے والے دولہا کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں تو اس وقت جو حالات قطعی معلوم ہوں ان کا ذکر کر دینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ضروری ہوتا ہے کیونکہ قرآن پاک کا حکم ہے کہ گواہی کو مت چھپاؤ۔ یا مثلاً کسی شخص کو ملازم رکھنے سے پہلے آپ کوئی اس کے متعلق پوچھے تو انسان کے علم میں جو بات ہو اس کا ذکر کرنا صحیح ہوتا ہے۔ مگر اگر علم قطعی نہ ہو بلکہ سنی سنائی بات ہو تو کہہ دینا ضروری ہے کہ میں نے ایسا سُنا ہے۔ آپ اس کی تحقیق کر لیں۔

غیبت کی نسبت ایک دلچسپ حدیث ہے۔ رسول اللہ صلعم نے غیبت کی یوں تشریح فرمائی کہ:۔

ذكرك اخاك بما يكره

یعنے غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے متعلق جب وہ موجود نہ ہو ایسی بات کرو جسے اگر وہ موجود ہوتا تو ناپسند کرتا۔ تو جب حضورؐ سے پوچھا گیا کہ اگر وہ بات جو کہی جاتی ہے تب بھائی میں پائی جاتی ہو تب بھی وہ غیبت ہے۔ تو حضور صلعم نے فرمایا کہ تب بھی غیبت ہے۔ اور اگر نہ پائی جاتی ہو تو وہ بہتان ہے۔

غیبت کی بابت قرآن پاک نے انہی آیات میں ایک عجیب بات فرمائی ہے۔ فرمایا۔ "کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تو تم اس سے کتنی کراہت کرتے ہو"۔ اس مثال کے کیا معنی ہیں؟ میری حقیر سمجھ میں جو آئے ہیں وہ میں عرض کئے دیتا ہوں۔

فرض کر لیجئے کہ وہ بھائی زندہ ہوتا اور تم اس کے گوشت پر منہ مارتے تو کیا وہ خاموش تمہیں اپنا گوشت کھانے دیتا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ فوراً تمہیں ایک تھپڑ مارتا یا اس کے بھی زیادہ بدلہ لیتا۔ مگر جو بھائی موجود نہ ہو چونکہ وہ اپنے دفاع میں کچھ کہہ یا کر نہیں سکتا تو وہ ایک مردہ کی طرح ہے۔ جو اپنی حفاظت یا دفاع نہیں کر سکتا۔ فرمایا کہ غیبت مُردے کے گوشت پر منہ مارنے کی طرح ہے۔

تقوی اللہ:۔ پھر اس مضمون کو یوں ختم فرمایا۔ واتقوا اللہ۔ تقوی کے لفظ کے معنی جب وہ اکیلا آئے تو بُرائی سے یا گناہ سے بچنے کے ہوتے ہیں۔ تقوی اللہ کے معنی ہیں اللہ تعالےٰ کی پکڑ یا سزا سے اپنے آپ کو بچانا۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہاں تقوی اللہ کے الفاظ آئے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم یا بات کے بارہ میں اللہ تعالےٰ خاص طور پر محاسبہ فرمائے گا اور سزا دے گا۔

آخیر میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ تواب ہے اور رحم کرنے والا ہے۔ یعنے اگر تم سے وہ غلطیاں جن کا ان آیات میں ذکر ہے ہو گئی ہیں یا وہ تم اب تک کرتے رہے ہو تو اب توبہ کرو تو وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم سے رجوع کرنے والا ہے۔ اللہ تعالےٰ مجھے اور ہم سب کو اپنی فوری اصلاح کا موقع دے کہ خبر نہیں کہ کب موت آجائے اور تب توبہ یا اصلاح کا موقع نہیں رہتا۔

دُعا مانگنے کا بہترین طریقہ نماز ہے

نماز اللہ تعالیٰ کی حضوری ہے اور اس کی تعریف کرنے اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کی مرکب صورت کا نام نماز ہے۔ اس شخص کی ہرگز نماز قبول نہیں ہوتی جو اس غرض اور مقصد کو مدنظر رکھ کر نماز نہیں پڑھتا:

پس نمازوں کو بہت سنوار سنوار کر پڑھو۔ کھڑے ہو تو ایسے طریق سے کہ تمہاری صُورت صاف طور پر بتا دے کہ تم اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں دست بستہ کھڑے ہو اور جھکو تو ایسے جس سے صاف معلوم ہو کہ تمہارا دل جھکتا ہے اور سجدہ کرو تو اس آدمی کی طرح جس کا دِل ڈرتا ہے۔ اپنی نمازوں میں اور اپنے دین اور دُنیا ہردو کیلئے دعائیں کرو - - - - - - - - - - اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف کے شروع میں یہ دعا سکھائی ہے اور اس کے ساتھ ہی دعا کے آداب بھی بتا دیئے ہیں۔ سُورۃ فاتحہ کا نمازوں میں پڑھنا ضروری ہے۔ اور یہ سورۃ ساری کی ساری دعا ہی ہے۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اصل دعا نماز ہی ہوتی ہے .... یاد رکھو دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب کہ دل میں درد اور رقت پیدا ہو اس سے مصائب اور غضب الٰہی دور ہو جاتا ہے۔ لیکن جب بلا سر پر آ پڑے تو گو اس میں شک نہیں کہ اسوقت بھی دل میں ایک درد پیدا ہوتا ہے۔ لیکن وہ درد قبولیت دعا کا جذب اپنے اندر نہیں رکھتا۔ یقیناً سمجھو کہ اگر مصیبت کے ورود سے پہلے اپنے دلوں کو گداز کر لو گے اور خدا تعالےٰ کے حضور اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت کے لئے گریہ و بکا کرو گے تو تمہارا خاندان اور تمہارے بال بچے عذاب سے بچا لئے جائیں گے۔

(ملفوظات حصہ چہارم ۱۲۱ / ۱۲۲ مرتبہ بابو منظور الٰہی مرحوم)

سیرتِ خیر البشر

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک مثالی شوہر

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انسانِ کامل تھے۔ آپ کی زندگی کا ہر گوشہ اور آپ کے کردار کا ہر رُخ مسلمانوں کے لئے نمونہ اور اسوہ ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے آپ کو انسانوں میں پیدا کیا اور انسانوں کی طرح پیدا کیا۔ اور آپ نے انسانوں کی طرح سے اپنی پوری زندگی گزاری۔ آپ بیٹے بھی تھے اور باپ بھی۔ شوہر بھی تھے اور بھائی بھی۔ عمر میں چھوٹے بھی تھے اور بزرگ بھی۔ آپ نے تجارت بھی کی اور لڑائیں بھی لڑائیں۔ محنت کشی بھی کی اور حکمرانی بھی۔ آپ ہر حیثیت سے شاہراہِ حیات پر ایسے نقوشِ قدم چھوڑ گئے جو قیامت تک لوگوں کے لئے نمونہ اور معیار بنے رہیں گے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

(بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی قابلِ تقلید نمونہ ہے)

چنانچہ ایک شوہر اور رفیقِ حیات کی حیثیت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جو کردار ہے وہ ہر شوہر کے لئے نمونہ کا کردار ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے مسلمان شوہروں کے لئے آپ کے چند احکام سماعت فرمایئے۔ ارشاد فرمایا:۔

"خیرکم خیرکم لاھلہ (ترمذی۔ دارمی۔ ابن ماجہ)

تم میں سے بھلا آدمی وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے لئے بھلا ہو۔

دوسرا ارشاد ہے:۔

خیارکم خیارکم لنسائھم (ترمذی)

تم میں سب سے بھلے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے بھلے ہوں۔

ایک بار ایک صحابی کو جو زہد و عبادت کی طرف زیادہ متوجہ ہونے کی وجہ سے اپنے "اہل" سے غافل رہتے تھے بلوایا اور فرمایا:۔

"اور تمہاری رفیقہ کا بھی تم پر حق ہے۔" (بخاری)

صنفِ ضعیف کے حقوق کا سرکارؐ کو کتنا خیال تھا اس کا اندازہ اس سے کیجیئے کہ آپ نے اپنی حیات کے آخری خطبہ حج میں جن اہم ترمسائل پر احکام و نصائح فرمائے تھے ان میں عورت کے حقوق کا مسئلہ بھی تھا۔ فرمایا۔

"لوگو! عورتوں کے حق میں میری نیکی کی نصیحت کو مانو کہ یہ تمہارے ہاتھوں میں قید ہیں۔ اور تم اس کے سوا کسی بات کا حق نہیں رکھتے اِلّا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں۔ اگر ایسا کریں تو ان کو خواب گاہ میں علیحدہ کر دو۔ اور ان کو ہلکی مار مارو۔ تو اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر ان پر الزام لگانے کے پہلو نہ ڈھونڈو بے شک تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ تمہارا حق تمہاری عورتوں پر ہے۔ کہ وہ تمہارے بستر کو دوسروں سے پامال نہ کرائیں۔ جن کو تم پسند نہیں کرتے۔ اور نہ تمہارے گھروں میں اُن کو آنے کی اجازت دیں۔ جن کا آنا تم کو پسند نہیں۔ اور ہاں ان کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کے پہنانے اور کھلانے میں نیکی کرو۔" (ابن ماجہ) ـــــ بیوی کے حق کی وضاحت ایک اور موقعہ پر ایک سوال کے جواب میں یوں فرمائی:۔

"بیوی کا حق شوہر پر یہ ہے کہ جب خود کھائے تو اس کو کھلائے۔ جب خود پہنے تو اس کو پہنائے نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے نہ اس کو بُرا بھلا کہے۔ نہ گھر کے علاوہ (سزا کے لئے) اس کو علیحدہ کرے۔"

اختصار کے خیال سے میں نے یہ چند ارشادات نقل کئے ہیں۔ ورنہ بیویوں کے حقوق کے سلسلہ میں آپ کے احکام و ہدایات بکثرت ہیں۔

ایک شوہر کی حیثیت سے حضورؐ کیسے تھے اس کا جواب عرض کرنے سے پہلے ہم یہ سوچتے چلیں کہ ایک شوہر کے لئے عمومی شرائط کیا ہونی چاہیئں:۔

۱:۔ یہ کہ وہ بیوی کے لئے محبت کوش ہو۔

۲:۔ یہ کہ اس کی ضروریات اور خواہشات کا حتی الامکان پورا پورا خیال رکھے۔

۳:۔ یہ کہ جہاں تک اس کے اصول اجازت دیں بیوی کی ان فرمائشوں اور خواہشوں کی تکمیل و تعمیل میں سعی کرے جو چاہے اس کے مزاج کے خلاف ہوں۔

۴:۔ یہ کہ اگر ازواج ایک سے زیادہ ہوں تو اپنی محبت، وقت، مال اور توجہات کی ان میں ٹھیک ٹھیک اور عادلانہ تقسیم کرے۔

اب ان شرائط کی روشنی میں شوہر کا ایک مثالی کردار ملاحظہ ہو:۔

جہاں تک شرطِ اوّل یعنی محبّت کوش ہونے کا تعلق ہے اس کے لئے تو کچھ سوچنا ہی تحصیل حاصل ہے۔ کیونکہ وہ ایک پاک ہستی سراپا محبّت تھی۔ محبت کیش تھی۔ جس کا پیغام محبت کا پیغام تھا جس کا مشن محبت کا مشن تھا۔ جس نے محبت اور صرف محبت ہی کے زور پر ساری دنیا کو فتح کیا تھا۔ جسے دوستوں ہی سے نہیں دشمنوں سے بھی محبت تھی۔ ایسے ایسے محبت کیش کی محبت کوشیوں کا کیا ٹھکانا ہوگا۔ اور وہ بھی اپنی ازواجِ مطہرات کے لئے:۔

آپ نے چھٹی صدی کے عرب کے سے معاشرے میں عورت سے جیسی محبت کر کے دکھائی اور کرنا سکھائی ہے۔ اس کا اندازہ کرنے کے لئے سیدنا عمرؓ کا یہ قول سُنیئے:۔

"ہم لوگ اِسلام سے قبل عورتوں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ اِسلام نے عورتوں کے لئے احکام نافذ کئے اور اُن کے حقوق مقرر کئے۔" (بخاری)

ان احکام و ہدایات کا اثر کیا ہوا؟ عورت کو کیا حقوق ملے؟ اس کا جواب بھی حضرت عمرؓ اپنے اسی ارشاد کے دُوسرے حصہ میں دیتے ہیں:۔

"ایک بار میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا تو اس نے بھی برابر کے جواب دیئے۔"

(بخاری)

دو متقابل نظریۂ حیات، یعنی مادی اور اسلامی

اسلامی نظام حیات کے حقیقی معنی اور اس کے نفاذ کا طریق کار

مسلمانوں کی زندگیوں میں دجالی نظریہ کی بجائے ایمانی نظریہ پر یقین محکم یا قلبی و باطنی انقلاب

خطبہ جمعہ مورخہ ۲/۸۱، از مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب بمقام جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زین للناس حب الشھوٰت من النسآء ۔۔۔۔ واللہ عندہ حسن المآب (آل عمران: ۱۴)

متاع قلیل ثم ماوٰھم جھنم وبئس المھاد (آل عمران ۱۹۷)

ترجمہ:۔ لوگوں کو نفسانی خواہشوں کی محبت بھلی معلوم ہوتی ہے (جیسے) عورتیں اور بیٹے اور ڈھیروں ڈھیر سونا اور چاندی اور پلے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی۔ یہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے مگر اللہ کے پاس اس سے اچھا و بہتر ٹھکانا ہے۔ (۱۴)

" :۔ یہ اس زندگی کا تھوڑا و عارضی سامان ہے۔ بالآخر پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جو بہت بُری جگہ ہے۔ (۱۹۷)

سورۃ آلِ عمران کی یہ آیت بتا رہی ہے کہ بعض انسانوں کا نظریہ حیات کیا ہے۔ ان کا نظریہ زندگی یہ ہے کہ اس میں بڑھ چڑھ کر سامان عیش و عشرت ہوں۔ بیویاں ہوں۔ بیٹے ہوں۔ اور سونا چاندی کے ڈھیر لگے ہوں۔ مال و اسباب۔ جائیداد کثیر ہو یعنی زندگی پوری طرح متاعِ حیات کی فراوانی سے عبارت ہو۔ زندگی کے اس نظریہ کے حامل لوگوں کی نگاہ اس کے علاوہ کہیں نہیں ٹھہرتی یہی مال و متاعِ دنیا ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہوتا ہے، اور یہی چیزیں ان کو مطلوب و محبوب ہوتی ہیں اور اس کے حصول کے لئے ہی ان کی زندگی کی تمام مساعی ہوتی ہے۔ اور شب و روز اسی دھن میں مگن رہتے ہیں کہ کسی طرح یہ سامانِ دنیا بڑھ چڑھ کر حاصل ہوں۔ اس کے لئے ان کے ذہن سے جائز و ناجائز کا تصور بھی غائب ہو جاتا ہے جس طرح بھی یہ سامانِ تعیش حاصل ہوں لے لئے جانے جائز ہیں۔ اسی طلب میں صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ سچائی سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ خدا کی نافرمانی فسق و فجور ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ خدا کی راہ میں دینے سے گھبراتے ہیں مخلوق خدا کی بھلائی کے لئے خرچ کرنا موت سے بدتر دُکھ کا موجب ہوتا ہے۔ اور خدا کے ساتھ مخلوق کے حقوق کو بھی بھول جاتے ہیں۔ گویا ان کا معبود خدا نہیں بلکہ وہ مال و منال ہے جس سے وہ دل لگا ڈالتے ہیں۔

اس کے برعکس اہل تقوٰے اور اہلِ ایمان اصحاب کا نظریۂ حیات بالکل جدا گانہ ہوا کرتا ہے۔ جیسے اس سے اگلی آیت میں ہے۔

الصابرین والصادقین والقانتین والمنفقین والمستغفرین بالاسحار

اُن کے اندر صبر و قناعت۔ صدق و امانت۔ فرمانبرداری و اطاعت کی صفات جلوہ گر ہوتی ہیں انہیں مالِ دنیا سے محبت نہیں بلکہ وہ خدا کے عطا کردہ رزق اور مال و متاع کو دوسرے انسانوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ خدا کے حضور گریہ رہتے ہیں اور اُن کی صبحیں خدا کے حضور استغفار کرنے میں بسر ہوتی ہیں۔ مدعا یہ کہ ان کے کاروبارِ حیات، خدا کے ساتھ تعلق سے مانع نہیں ہوتا، اور وہ ہمیشہ اسی کوشش میں رہتے ہیں کہ وہ کہیں صحیح راستہ سے بھٹک نہ جائیں۔ اس لئے وہ خدا کی رضا کی راہوں پر چلتے ہیں۔ اس طرح یہ دو نظریات ہیں ایک یہ کہ دنیا کا سامان جیسے بھی ہو سکے لے لو۔ اور دوسرا یہ کہ اخلاقی و روحانی قدروں کی جھلک پیش کرے۔

دنیاوی ساز و سامان کی کشش اور محبت و ہوس

آج اس دجالی تہذیب کے زیر اثر ہم سب اسی تگ و دو میں بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ اسی لئے خدا کے ساتھ تعلق و واسطہ بے حقیقت نظر آتا ہے۔ دین اور اخلاقی قدریں ختم ہوتی جا رہی ہیں دجال کا اثر ہمہ گیر ہے جس کے سامنے انسانیت بے حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ انسان صرف حصولِ زر کے لئے سرگرداں اور کوشاں حیران و پریشان ہے۔ اعلیٰ انسانی صفات سے انسان عاری ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے یہ دن بدن ہلاکت کے گڑھے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جنت اور جہنم دو الفاظ قرآن کریم نے ان دو نظریہ حیات کے لئے استعمال کئے ہیں۔ ان الفاظ کے لغوی معنوں میں ہی ان نظریوں پر عمل پیرائی کے انجام کی اصل حقیقت تبلا دی گئی ہے۔ چنانچہ جنت کے معنی ہیں مخفی شئے۔ پس اگر انسان اعلیٰ اقدار زندگی کو اختیار کرے تو اس کا لازمی نتیجہ امن و سلامتی، ترقی و خوشحالی اور عافیت و راحت نکلتا ہے۔ لیکن مادی اقدار و سفلی جذبات کے اختیار کرنے سے بالآخر ادنیٰ جذبات انسان کے اندر مشتعل ہو کر اس کے اندر جہنم پیدا کر دیتے ہیں۔ جب صرف یہی زندگی اس کا مقصود و مطلوب ہے۔ انسان اپنے اعمال سے یہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ اگلی زندگی کے بارے میں کوئی یقین نہیں رکھتا۔ اس لئے وہ ابنِ ہوس و بندہ خواہشات بنا ہوا ہے۔ گویا انسان کو نہ ختم ہونے والی اشتہا کا مرض لاحق ہو گیا ہے۔ یعنی یہ جوع البقر کے مرض میں مبتلا ہے۔ کہ پیٹ بھرتا ہی نہیں اور ھل من مزید کی صدا اندر سے شعلہ زن ہوتی ہی رہتی ہے۔ جیسے کتا مُردار پر جھپٹتا ہے اور خواہ اس کا پیٹ کتنا بھرا ہو لیکن وہ یہ گوارا نہیں کرتا کہ دوسرا اس مردار سے حصہ پائے۔ خود قرآن

کریم میں دنیاوی حرص و ہوس کا شکار ہونے والوں کو کتے سے تشبیہ دی ہے ۔ اور اس کے طالب کتے ہیں یہی منظر آج نظر آتا ہے آج اس قدر ہوس دنیا کا مرض پھیلا ہوا ہے کہ الامان الحفیظ ۔ بہرکیف انسان اس جانب مائل ہے کہ وہ جس طرح بھی ہو حصول متاع دنیا کی کوشش کرے ۔ اسلامی نظام کے نفاذ میں پرکشش اور فرحت بخش بات رُوح کی آسودگی کا سامان ہے لیکن اس کا ایک مفہوم یہ لیا جا رہا ہے کہ صرف اسلامی تعزیرات و حدود کا نفاذ ہو جائے ۔ دوسرا نکتہ نظر یہ ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کا مطلب ظاہر ارکان اسلام کی پابندی میں محدود ہے ۔ پھر ایک اور نکتہ خیال یہ ہے کہ مسائل پر علمی مباحث ہوں ۔ دلائل و شواہد سے اپنے مافی الضمیر کی تصدیق کی جائے ۔ وضو و طہارت کے مسائل پر زور دیا جائے ۔ اور جو ان باتوں کو نہ کرے اس کو سزا دی جائے ۔ لیکن بُرا ہو ہوس طلب زر اور جلب منافع کا کہ اس سب کے باوجود اعتماد و ایمان کی فضا پیدا ہونے کی بجائے عناد و فساد کی فضا ترقی پذیر ہے ۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا کی محبت و جستجو پیدا ہو جائے اور اس کا اظہار انسان کے دلی جذبات اور اعمال سے ہوتا ہو ۔ باہمی برتاؤ اور انسانی سلوک سے یہ بات مترشح ہو کہ بندے خدا کے طالب ہیں ۔ نہ کہ اپنے نفس کی خواہشات کے پیرو ۔ اور ایسے اوصاف دخواص مسلمان کے اندر پیدا ہو جائیں کہ وہ دوسروں کے لئے بھی مشعلِ راہ کا کام دیں ۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کی جماعت پیدا کی جب وہ مدینہ منورہ میں تھے اسوقت ۳۱۳ صحابہ رضؓ نے وہ عالمگیر انقلاب پیدا کیا کہ دنیا کے لئے تعجب اور حیرت انگیز اور لاثانی بات ہے ۔ صحابہ کرام رضؓ کے اعلےٰ اوصاف کی وجہ سے ہی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم ۔ میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں ۔ جس کے پیچھے چل پڑو گے درست راستے پر چل پڑو گے ۔ گویا قرآن پاک کی تعلیم سے ایک انقلاب پہلے انسانوں کے اندرون میں پیدا ہونا ضروری ہے ۔ اگر وہ انقلاب پیدا نہیں ہوا تو گویا ہم نے عملاً و حقیقتاً اسلامی نظام کو قبول نہیں کیا ۔

اسلامی اخلاقی اقدار کیوں روبہ تنزل ہیں؟

اسلامی نظام کا نفاذ ہر آدمی کے لئے انفرادی اور بنیادی اہمیت کا حامل ہے ۔ جب ہر فرد قوم میں اعلیٰ اخلاقی اوصاف پیدا ہونگے تو یقیناً نہ قتل ہونگے نہ چوریاں ہونگی ۔ نہ بُرائیاں اور بدیاں پھیل سکیں گی ۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں ایک شاندار و لامثل ریکارڈ ہیں اسلامی نظام کے نفاذ کا ۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا تھا ۔ کہ تمہارے اموال تمہاری جانیں ۔ تمہاری عزتیں تم پر اس طرح قابل احترام ہیں جس طرح آج کا دن ۔ یہ جگہ اور یہ مہینہ محترم ہے ۔ تو گویا اصل مقام انسانیت کا یہ ہے کہ ہماری نظر میں دوسروں کے اموال جان ۔ عزت و آبرو کی قدردانی ہو ۔ ہمارے اندر سے حرص و ہوس اور حسد و بغض کے جذبات نکل جانے چاہیئیں ۔ بلکہ اپنی بساط پر ہمیں دوسرے لوگوں کی جان مال اور آبرو کی حفاظت کرنا چاہیئے ۔

لیکن مقام افسوس ہے کہ ہمارے اندر من حیث القوم وہ اوصاف تو قریب قریب ختم ہو گئے ہیں اس کے برعکس جذبات سفلیہ و ردیہ کا ایک ریلا ہے ۔ جو ہمیں بہائے لئے جا رہا ہے ۔ آج سے پچاس سال پہلے جو ہماری حالت تھی آج اس سے نمایاں طور پر بدتر ہے ۔ اعلےٰ اخلاقی اقدار سے ہم محروم ہوتے جا رہے ہیں ۔ وجہ یہ ہے کہ ہماری نظر میں دنیا کی چمک دمک خیرہ کن ہے ۔ ہمارے لبوں پر اسلامی نظام حیات کا نعرہ ہے مگر ہمارے قلب دجالی تہذیب و اقدار کے قائل ہو چکے ہیں ۔ بلندی اور اعلیٰ صفات اسی صورت میں پیدا ہو سکتے ہیں کہ ہمارا مطمع نظر آسمانی اور روحانی جذبات ہوں ۔ ہمارے علماء کو اس قدر اعلےٰ اخلاق کا نمونہ ہونا چاہیئے کہ دوسروں کے لئے باعث تقلید ہوں ۔ ہر خیر و خوبی دل کی گہرائیوں میں جنم لیتی ہے اس لئے دل میں عمدہ جذبات و خیالات پیدا کرو ۔ کیونکہ وہی بات مؤثر ہوتی ہے ۔ جو دل سے نکلے ۔ جب تک قلوب و اذہان میں یہ سنہری اصول و قوانین بسے ہیں ۔ ۵۰ سال کے قلیل عرصہ میں مسلمانوں نے وہ عملی نمونہ دکھایا کہ تمام جہان کے لئے پرکشش تھا اور لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور دنیا ایک گہوارہ امن و آشتی بن گئی ۔ حضرت مرزا صاحبؒ نے اپنی کتاب "فتح اسلام" میں لکھا ہے کہ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے ۔ وہ کیا ہے ؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا ۔ یہی وہ موت ہے جس پر مسلمانوں کی زندگی ، اسلام کی فتح اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے ۔ غلبہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے ۔ کہ ایک جماعت ایسی ہو جو اسلام کا عملی نمونہ ہو ۔ اسلامی نظام کا نفاذ اسی صورت میں ممکن ہے کہ مسلمان اپنے اندر اسلامی صفات و آسمانی جذبات پیدا کریں ۔ کیونکہ حب الدنیا راس کل خطیئۃ " دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے ۔ اس کے لئے حضرت مرزا صاحبؒ نے ہمارے لئے ایک شاندار اصول پیش فرمایا ہے کہ " میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا" اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں اسلام فروغ پائے تو ہمیں چاہیئے کہ ہماری نظر دین پر ہو اور ہر فعل سے پہلے دیکھیں کہ اسلام کا بھی اس کے بارہ میں کیا حکم ہے اور آیا اس عمل سے دین کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچتا ؟ اگر ہم اس اصول کو اپنی عملی زندگی میں اپنانے میں کامیاب ہو جائیں تو یقیناً اسلامی نظام کا نفاذ اپنا پھل لانے میں بے نظیر ہوگا ۔ اس لئے دنیا کی دلفریبی سے کنارہ کشی کرو کہ یہ متاع قلیل ہے اور آخرت کو مدنظر رکھو کہ اس میں اجر عظیم ہے ۔ اور خدا کی خوشنودی اور رضا کی راہ ہے ۔ اور خدا سے توفیق مانگو کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں ۔ آمین

اسلامی تہذیب کا انقلاب اندرونی قلبی و ایمانی تبدیلی کا طالب ہے

اسلامی تہذیب کا انقلاب اگر لانا مقصود ہو تو اس کے لئے ابتدائی طور پر نظریہ حیات میں یکسر تبدیلی کی حاجت ہے ۔ رائج الوقت تہذیب اس نظریہ پر منحصر ہے کہ مادی اقدار مقدم و قابل ترجیح امور ہیں ۔ لیکن دین اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ مادی اقدار کا درجہ مؤخر ہے ۔ ان پر اخلاقی و ایمانی اقدار و اوصاف کو افضلیت حاصل ہے ۔ لہٰذا جہاں اخلاقی و مادی اقدار میں باہم ٹکراؤ ہو وہاں اخلاقی اقدار کو مقدم کر کے مادی اقدار کو نظر انداز کر دو لیکن اس کے برعکس دجالی تہذیب کی بنا اس امر پر ہے کہ اخلاقی اقدار کو نظر انداز کر کے مادی اقدار کو مقدم کرو ۔ مثلاً کسی معاملہ میں اگر انصاف کا تقاضا یہ ہو کہ انسان اُسے مقدم کر کے اپنے منافع کو ترک کر دے تو یہ اصول اسلامی تہذیب کی بنا ہے ۔ مگر اس کے برعکس دجالی یا مادی تہذیب کا تقاضا یہ ہے کہ ہر حالت میں اپنا منافع مدنظر رہے اور اس کے لئے اگر دوسرے فرد یا قوم پر ظلم یا اس سے بے انصافی ہو تو بھی مضائقہ نہیں ۔ پس قوموں اور بین الاقوامی سطح پر جو فساد و ظلم بپا ہے ۔ اس کا اصل باعث یہی تقدیم و تاخیر کا سوال ہے ۔ دین اسلام کے نزدیک رہبانیت کے لئے کوئی جگہ نہیں کیونکہ یہ ایک مثبت نظریہ حیات ہے ۔ مگر اس کے ساتھ اسلامی تہذیب کا تقاضا یہ بھی ہے کہ دوسروں سے معاملات کے بارے میں انصاف و عدل کا اصول بھی نظر انداز نہ ہو ۔ بلکہ احسان و مروت کا اصول پر باہمی لین دین میں رواج ہو ۔

* *

از :- ارشد علوی (لاہور)

رزقِ حلال کی برکت

آج دنیا میں یہ باتیں عام سننے میں آتی ہیں کہ اولاد نافرمان ہے۔ رشتہ داروں کے خون سفید ہو گئے ہیں۔ دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ چہروں پر رونق نہیں ہے۔ صحت تندرستی نہیں ہے۔ دنیا سے دل بیزار ہے۔ سکونِ دل نصیب نہیں ہے۔ اگرچہ دولت کی فراوانی ہے، کار ہے، بنگلہ ہے خدمت کے لئے نوکر چاکر ہیں مگر ذہنی سکون حاصل نہیں ہے۔ یہ سب کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ رزقِ حلال نہیں کھایا جاتا۔ اگر رزقِ حلال کی کمائی ہو تو یہ سب بیماریاں بھی نہ ہوں۔

دِل جو کہ انسانی جسم کا ایک قیمتی پرزہ ہے گوشت کا لوتھڑا ہے اور اس کا کام دورانِ خون قائم رکھنا ہے۔ جسم کے انگ انگ میں تازہ خون پہنچانا اور وہاں سے فاسد مادّے واپس لاکر خارج کرنا اس کا اہم کام ہے۔ اگر اس لوتھڑے کو رزقِ حلال کا خون مل جائے تو جسم تمام بیماریوں سے پاک و صاف ہو جائے اور دماغ روشن ہو جائے تو نورانیت کی جھلکیاں بھی نمودار ہونی شروع ہو جائیں۔

رزقِ حلال کو تمام دنیا کے مذاہب فوقیت دیتے ہیں۔ اسی لئے یورپ وغیرہ میں چوری، رشوت خوری اور دیگر ناجائز ذرائع آمدنی کو خلافِ قانون ہونے کے علاوہ سماجی جرم قرار دیا گیا ہے۔ رزقِ حلال کا ایک واقعہ روحانی دنیا کے رسالہ میں ایک مرتبہ شائع ہوا تھا جو کہ بابا نانک صاحب سے متعلق ہے۔ ایمن آباد کے کسی امیر نے ایک دعوت کی اور بابا نانک صاحب کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ بابا نانک صاحب نے ٹال دیا مگر وہ امیر بضد تھا۔ خیر، بابا نانک صاحب تشریف لائے۔ آپ کے لئے ہر قسم کے پُرتکلف کھانے دسترخوان پر چن دیئے گئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تمہارا کھانا حلال نہیں ہے۔ تجربہ کر کے دیکھ لو۔ آپ نے اپنے مرید کے گھر سے بھی کھانا منگوایا وہ سادا کھانا تھا۔ باجرے کی روٹی تھی۔ بابا نانک نے ایک مٹھی میں مرید کا کھانا لیا اور دوسری مٹھی میں امیر کا کھانا لیا اور دونوں ہاتھ اُوپر کر کے اُن کو دبایا۔ امیر کے کھانے والی مٹھی سے خون نکلا اور مُرید کے کھانے والی مٹھی سے دودھ نکلا۔ بابا نانک صاحب نے فرمایا کہ تمہارے کھانے میں لوگوں کا خون شامل ہے۔ میں کیسے کھاؤں۔ اس بات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ دوسرے مذہب کے پیشوا بھی حرام رزق کے خلاف جہاد کرتے تھے۔

ہمارے لباس میں اگر ایک پیسہ بھی حرام کی کمائی کا ہے تو نماز قبول نہ ہو گی۔ جگہ یا مکان کی تعمیر میں بھی اگر حرام کی کمائی خرچ کی ہو گی تو وہاں پڑھی گئی نمازیں بھی قبول نہیں ہوں گی اور نہ ہی نماز میں حضورِ قلب حاصل ہو گا۔ یہ نماز محض ایک رسم کی ادائیگی ہو گی۔ ہم کیوں نہ رزقِ حلال کو اپنی جانوں کے لئے کمائیں اور خیر و برکت کے نمونے بنیں۔ ہماری نمازیں، ہمارے روزے، اور ہماری دعائیں خدا کے حضور قبول ہو جائیں۔ اور دُنیاوی حسرتوں کا جنازہ نکل جائے۔ ؎

اے شمع تیری عمرِ طبعی ہے ایک رات + ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے

رزقِ حرام سے رُوح مردہ ہو جاتی ہے۔ ہر اچھی چیز کا احترام دل سے نکل جاتا ہے ادب و لحاظ چھوٹ جاتا ہے۔ اور حسّیں مردہ ہو جاتی ہیں۔ دنیاوی لذتوں میں انسان ایسا کھو جاتا ہے کہ گرد و پیش کا جائزہ ہی نہیں لے سکتا۔ اس کی آنکھوں پر حرام رزق کی پٹی چڑھ جاتی ہے اور وہ کائنات کے تمام رشتوں سے ناطہ توڑ کر ہوسِ زر پورا کرنے کی تگ و دو میں کوشاں رہتا ہے۔ وہ اس دلدل میں دھنستا ہی چلا جاتا ہے اور بالآخر رزقِ حرام کی ایسی سیاہ دلدل کی اتھاہ گہرائیوں میں پہنچ جاتا ہے جس سے اس کا نکلنا محال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے ظاہری جسم کی نشوونما کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے حالانکہ یہ جسم تو مٹی کا ہے اور مٹی ہی میں دفن ہونا ہے۔ اگلی دنیا میں روحانی جسم نے ساتھ دینا ہے۔ تو ہم کیوں نہ اس جسم کی پرورش کریں جو ہمارا لافانی دنیا میں ساتھ دے گا۔ رزقِ حلال میں گزر بسر کر کے ہم اپنی جانوں اور نسلوں کو ہر مصیبت سے نجات دلا سکتے ہیں۔ ابھی دینی اور دنیاوی زندگی کو جنت کا نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔ خدا ہمیں رزقِ حلال کمانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!۔

اسلام کا زندہ ہونا

ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے

ارشاداتِ حضرتِ مجدد صد چہاردہم

اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا، جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا، جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے لیکن ابھی ایسا نہیں ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں۔ اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں۔ اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذلتیں قبول نہ کر لیں۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے، جس پر اسلام کی زندگی، مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلّی موقوف ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے۔ اسی اسلام کا زندہ کرنا خدا تعالےٰ اب چاہتا ہے۔

(فتحِ اسلام)

بچّوں کا صفحہ

ابن رحیم

ہمارے امام کا پیارا بچپن

پیارے بچو!

ہم تمہیں اپنے پیارے امام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے بچپن کے کچھ تعلیمی حالات سناتے ہیں۔ ہمارے پیارے امام کا بچپن بڑا پاکیزہ تھا۔ کہتے ہیں:-

"ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"

بچپن ہی میں آپ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ جب آپ چلنے پھرنے لگے تو آپ کے لئے بہت سے کھلونے خریدے گئے۔ محلہ کے ننھے منّے بچوں کو بھی اپنے گھر میں لایا گیا۔ تاکہ آپ ان سب کے ساتھ کھیلیں کودیں۔ لیکن آپ کھیل کود میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے تھے۔

طالب علمی کے زمانہ میں بھی آپ نے کھیل کود اور ہنسی مذاق میں حصہ نہیں لیا۔ اپنی پڑھائی میں لگے رہتے۔ اپنے استادوں کا بے حد ادب کرتے۔ آپ کسی سے نہ لڑتے نہ جھگڑتے۔

آپ زیادہ وقت مسجد میں ہی گزارتے۔ پڑھتے رہتے تھے اور ٹہلتے رہتے تھے۔ اس طرح آپ کی جسمانی ورزش بھی ہو جاتی تھی۔ آپ کو قرآن شریف سے بہت محبت تھی۔ اس کو پڑھتے وقت آپ زار زار رونے لگتے تھے۔

آپ کو تنہائی بڑی پسند تھی۔ استاد صاحب سے سبق پڑھتے اور بالا خانے پر سب سے الگ بیٹھ کر یاد کرتے رہتے۔ جوں جوں بڑے ہوتے گئے دین اسلام اور ذکر الٰہی سے محبت بڑھتی گئی یہ تنہا پسندی آپ کے ابّا جان کو پسند نہ تھی اور کبھی کہہ دیتے۔ "یہ ہمارے گھر میں مُلّاں کہاں سے پیدا ہو گیا ہے۔" اور اگر کوئی آپ کے متعلق پوچھتا تو اُسے کہتے:-

"مسجد کے سقادہ کی کسی ٹونٹی میں جا کر دیکھو۔ اگر وہاں نہ پاؤ تو مسجد کے اندر کسی گوشہ میں تلاش کرو۔ اگر وہاں بھی نہ ہو تو دیکھنا کسی صف میں کوئی لپیٹ کر کھڑا کر گیا ہو گا۔ کیونکہ وہ زندگی میں ہی مرا ہوا ہے۔"

پیارے بچو!

دیکھا تم نے کہ ہمارے پیارے امام اپنی ابتدائی عمر میں ہی خدا تعالیٰ، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے کس قدر شیدائی تھے۔ اور آپ کے دن رات کیسے عبادت الٰہی میں گزرتے تھے۔ کہ آپ اپنے والد صاحب کے نزدیک جیتے جی ہی مر چکے تھے۔ گویا آپ بچپن ہی سے:-

موتوا قبل ان تموتوا (مرنے سے پہلے مر جاؤ) کی پوری تصویر تھے۔ سچ ہے اللہ تعالےٰ کے بندوں کو خدا کے سوا کسی چیز سے لگاؤ نہیں ہوتا:

اولیاء اللہ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ

بزرگو! اس جماعت اولیاء اللہ نے سچی نیتوں اور خالص ارادوں سے اللہ تعالےٰ کے ساتھ عہد کیا ہے بکثرت مجاہدہ کرانے اور مراقبات اور طاعات کی پابندی کرنے اور تمام باتوں پر صبر کرنے کا۔ ان ہی کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ

یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اس بات کو پورا کر دکھایا جس کا اللہ سے عہد کیا تھا۔ گو یہ آیت حضرات صحابہؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ مگر جو لوگ صحابہ کے طریق پر کام کرنے والے ہیں وہ بھی ان میں داخل ہیں۔ ان لوگوں نے پختہ ارادہ اور پوری ہوشیاری کے ساتھ عزیمتوں (مشکل کاموں) کے بجا لانے میں سبقت کی۔ پس انہوں نے نیند ترک کر دی، کھانا پینا قریب قریب ترک کر دیا۔ اور رات کی تاریکیوں میں اللہ کے حضور عبادت کے لئے کھڑے ہو گئے اور خشوع اور بیداری اور لمبے لمبے قیام سے اور رکوع اور سجود اور روزہ سے اللہ کی عبادت کی اور اپنے محبوب کے سامنے مؤدب میں کھڑے ہو کر مقصود حاصل کرنے کے لئے خوشامدیں کیں۔ یہاں تک کہ مقام قرب تک پہنچ گئے اور اللہ تعالےٰ سے ان کو اُنس حاصل ہو گیا۔ اور اُن پر اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کا بھید ظاہر ہو گیا کہ انا لا نضیع اجر من احسن عملا۔ یعنی ہم اچھا عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے انہوں نے کُھلی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ واقعی اللہ تعالےٰ نیک کاموں کا اجر ضرور عطا کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالےٰ نے ان کو بلند درجہ اور قرب کا مرتبہ عطا فرمایا۔ اور اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ قریب کا قریب قریب ہوتا ہے۔ محبوب کے دوستوں کا دوست بھی محبوب ہوا کرتا ہے۔

پس یہ لوگ اپنے مشائخ کے محبوب اور مقرب ہیں اور وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقرب ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حق تعالےٰ کے محبوب و مکرم ہیں۔ تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقرب ہوئے۔ ان کا محبوب ان کے چاہنے والوں کا بھی محبوب ہے۔ اس کی محبّت کی برکت اس کو محبوبیت کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے۔ پھر جو کچھ اللہ تعالےٰ چاہتا ہے ہو کر رہتا ہے۔ یعنی محبوبیت کے درجہ تک پہنچ جانے کے بعد اللہ تعالےٰ جو نعمت چاہے دیتے ہیں

اے بزرگو!

اولیاء اللہ کے قرب کی کوشش کرو۔ جو اللہ کے ولی سے دوستی رکھتا ہے اللہ سے دوستی رکھتا ہے۔ ایسے ہی جو اللہ کے ولی سے دشمنی رکھتا ہے وہ اللہ سے دشمنی رکھتا ہے۔

ضرورت الہام

خدا پر خدا سے یقیں آتا ہے

یہ سچ ہے کہ جو پاک ہو جاتے ہیں
خدا سے خدا کی خبر لاتے ہیں

اگر اس طرف سے نہ آوے خبر
تو ہو جائے یہ راہ زیر و زبر

طلب گار ہو جائیں اس کے تباہ
وہ مر جائیں دیکھیں اگر بند راہ

مگر کوئی معشوق ایسا نہیں
کہ عاشق سے رکھتا ہو یہ بغض و کیں

خدا پر تو پھر یہ گماں عیب ہے
کہ وہ راحم عالم الغیب ہے

اگر وہ نہ بولے تو کیونکر کوئی
یقین کر کے جانے کہ

نہ جانا کہ الہام ہے کیمیا
اسی سے تو ملتا ہے گنج لقا

اسی سے تو عارف ہو جائے بادہ نوش
اسی سے تو آنکھیں کھلیں اور گوش

یہی ہے کہ نائب ہے دیدار کا
یہی ایک چشمہ ہے اسرار کا

اسی سے ملے اُن نازک علوم
اسی سے تو ان کی ہوئی جگ میں دھوم

خدا پر خدا سے یقیں آتا ہے
وہ باتوں سے ذات اپنی سمجھاتا ہے

کوئی یار سے جب لگاتا ہے دل
تو باتوں سے لذت اٹھاتا ہے دل

کہ دلدار کی بات ہے اک غذا
مگر تو ہے منکر مجھے اس سے کیا

وہ ہے مہربان و کریم و قدیر
قسم اس کی۔ اس کی نہیں ہے نظیر

حضرت (بانئ سلسلہ احمدیہ)

تبلیغی خط و کتابت

ممالکِ غیر میں ترسیلِ لٹریچر

"میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔"

—— الہام حضرت مجدد صد چہار دہم

دیکھو خدا نے ایک جہاں کو جھکا دیا — گمنام پا کے شہرۂ عالم بنا دیا

اقصائے عالم میں اسلام پر ہمارے شائع کردہ لٹریچر کی وسیع مقبولیت

از مکرم: —— چوہدری محمد شریف صاحب

۱:۔ الحاج جبریل امیرو نائیجیریا سے لکھتے ہیں:۔

پیارے بھائی السلام علیکم

آپ کی جماعت عالم اسلام کے لئے جو دینی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ واقعی قابل تعریف ہیں۔ میرے قریبی دوست گانا محمد نے آپکی ارسال کردہ کتب مجھے دکھائیں۔ یہ کتب ہم سب کے لئے کارآمد اور قیمتی تحفہ ہیں۔ میں ان کتب سے استفادہ حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ میرا دوست کسی دوسرے شہر میں مقیم ہے۔ اس لئے ملتمس ہوں کہ آپ یہ کتب مجھے بھی بطور تحفہ ارسال کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔ اس کے علاوہ ہم چند کتب قیمتاً خریدنا چاہتے ہیں۔ اس بارے میں تفصیل بتائیں کہ ہم کس طرح یہ کتب خرید کر سکتے ہیں۔

آپ کا وفادار

۲ - نائیجیریا سے مصلح الدین سلام رقمطراز ہیں:۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سالانہ کانفرنس (جلسہ) کے انعقاد کے لئے میری طرف سے بہت بہت مبارکباد۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اسلامی لٹریچر عنایت فرما دیں۔ اگر ممکن ہو سکے تو ایک نسخہ قرآن کریم کا بھی عنایت فرما کر ممنون فرما دیں۔ میں یہ بتانا چاہوں گا کہ میں ایک احمدی ہوں اس لئے امید کرتا ہوں۔ مجھے یہ کتب ضرور ارسال کر دیں گے،

کتب یہ ہیں:۔

بانیٔ سلسلہ کے دعاوی۔ پرافٹ آف اسلام۔ قرآن کریم انگریزی۔

۳:۔ اباداں نائیجیریا سے جناب مصطفےٰ حسن صاحب لکھتے ہیں:۔

پیارے! بھائی! السلام علیکم!

مجھے آپ کا نوازش نامہ مؤرخہ ۱۲/۸ موصول ہوا۔ یہ پڑھ کر مسرت ہوئی ہے کہ عربی انگریزی تفسیر قرآن کریم زیر طبع ہے۔ اور اس سال جون تک چھپ کر تیار ہو جائے گی تبلیغ اسلام اور اشاعت اسلام کے لئے آپ جو کوششیں کر رہے ہیں۔ ان کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ میری طرف سے اس غلبہ دین مساعی کے لئے مبارک باد قبول فرمایئے۔ قیمتی کتب جو آپ نے ارسال کی ہیں۔ ابھی تک نہیں ملی ہیں۔ قرآن کریم نیا ایڈیشن ارسال کرنا نہ بھولئے۔

شکریہ

۴:۔ نائیجیریا سے تاج الدین عبداللہ راجی صاحب لکھتے ہیں:۔

مکرم جناب السلام علیکم،

پندرہویں صدی ہجری کے مبارک موقع پر میں آپکے ادارہ سے رابطہ قائم کرتے ہوئے بے حد مسرت حاصل کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ مایوس نہیں کریں گے۔ میں ہمیشہ یہ محسوس کرتا رہا ہوں کہ اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنا مشکل امر ہے سوائے چند پرانی کتب جو لائبریری میں مل سکتی ہیں۔ اسی جستجو میں مجھے آپکے ادارہ کے متعلق معلوم ہوا جو تبلیغ اسلام کے لئے دن رات کوشاں ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو اس نیک مقصد میں کامیاب و بامراد بنائے۔

آپ مجھے چند ایسی کتابوں کے نام اور ان کے ملنے کا پتہ تحریر فرما دیں۔ نیز یہ بھی فرما دیں کہ آپ کس قسم کی کتب شائع کرتے ہیں:۔

۵:۔ ابو مجیدہ صاحب نائیجیریا سے تحریر کرتے ہیں۔

پیارے اسلامی بھائی۔ السلام علیکم

آپ کا مرسلہ چار اسلامی کتب کا پیکٹ کل ہی موصول ہوا۔ دلی شکریہ قبول فرمایئے۔ یہ کتب میرے لئے بہت بڑا علمی خزانہ ہے۔ اور میری علمی استعداد میں اضافہ کا موجب ہوئی ہیں۔ ان کتب کے مطالعہ سے مجھے اب پورا یقین ہو گیا ہے کہ اسلام ہی ایک سچا مذہب ہے۔ جو اس مادی دنیا میں ذہنی سکون مہیا کرتا ہے۔ میں آپ کا از حد ممنون ہوں گا اگر آپ مزید لٹریچر ارسال کر دیں۔

۶:۔ اباداں یونیورسٹی کالج ہسپتال سے اولیکیم لائل صاحب لکھتے ہیں:۔

محترمی جناب السلام علیکم۔

آپ کا نام و پتہ دونوں مجھے ایک دوست سے ملے اس نے مجھے بتایا کہ آپ ایک مہربان مسلمان ہیں۔ اور ہمارے ملک میں لوگوں کو کتابوں کے تحفے بھجواتے ہیں۔ بندہ ایک پیدائشی مسلمان ہے۔ عربی پڑھنے اور سیکھنے کا بے حد شوق ہے۔ آپ مجھے عربی انگریزی تفسیر قرآن کریم اور دیگر لٹریچر ارسال کر کے ممنون فرما دیں۔

آپ کا بھائی:۔

توجہ فرمائیں۔

جن احباب جماعت کے رشتہ دار انگلستان میں آباد ہیں۔ وہ اُن کے مکمل پتے اور ٹیلیفون نمبر مرکز کو بھیجیں۔ تاکہ وہ پتے اور ٹیلیفون نمبر مرکز سے یو کے جماعت کو بھجوائے جا سکیں۔

(حضرت ڈاکٹر) سعید احمد خاں (صاحب مدظلہ) لاہور

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۲۹ اپریل ۱۹۸۱ء جلد ۶۸ شمارہ ۱۷ رجسٹرڈ ایل ۸۳۴

باہتمام ریاض حسین الجیدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس براندرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش